© rasailojaraid.com

فکرِ اقبال کے چند پہلو

جناب وقار احمد صاحب رضوی

اقبال نے جرمنی کے مشہور شاعر گوئٹے سے اپنا موازنہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

او چمن زادے، چمن پروردۂ   من دمیدم از زمین مردۂ

مگر عجیب بات ہے کہ اسی زمین مردہ سے تین گلہائے سرسبد پیدا ہوئے جنھوں نے اپنی نواہائے گرم سے اپنے عہد کے تہذیب وتمدن اور تعلیم وتربیت کو متاثر کیا۔ میری مراد ہے بیدل، غالب اور اقبال سے یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ غالب کی طرح اقبال بھی بیدل سے متاثر ہوئے۔ اس لحاظ سے غالب اور اقبال، بیدل کی فکر کے پروردہ ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بیدل کا انفس وآفاق کا مشاہدہ گہرا ہے۔ اور ان کی شاعری حکیمانہ تفکر کی حامل ہے۔ اسی لئے غالب نے بیدل کو "بحر بیکراں اور محیط بے ساحل" کہا ہے۔ گوئٹے کے افکار پر حافظ، سعدی، فردوسی اور عطار کے تخیلات کا اثر ہے۔ اس کا اشارہ اقبال کے اس شعر میں ملتا ہے:۔

پیر مغرب شاعر المانوی   آن قتیل شیوہ ہائے پہلوی

غالب اپنے آپ کو ایران کے شعراء — عرفی، نظیری، ظہوری، صائب، طالب اور کلیم کے زمرے میں شامل کرتے تھے۔ مگر دانائے ضمیر کائنات۔ علامہ اقبال نے کبھی تعلی سے کام نہیں لیا۔ ان کو اپنے کلام پر زعم نہیں تھا۔ وہ شراب علم کے متوالے تھے۔ اور عظمت فکر کے آئینہ دار۔ یہی سبب ہے کہ غالب کے مقابلہ میں ان کی فکر بلند سے بلند تر پرواز کر سکی۔ وہ احترام انسانیت کے شاعر تھے اور عظمت آدم کے نقیب۔ اقبال نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مغربی افکار و خیالات کا مطالعہ کیا۔ اور قوم کو بادۂ انسانیت کے عشق سے سرشار کیا۔ اور انسان کی بھلائی اور بہتری کے لئے کوشش کو مقام انسانیت سے تعبیر کیا ؎

برتراز گردوں مقام آدم است　　اصل تہذیب، احترام آدم است

(جاوید نامہ)

اسی طرح بال جبریل کے اشعار بیسویں صدی کے انسان کی بھرپور اور پر اعتماد آواز ہے، جو کلبلائی ہوئی انسانیت کو دکھوں سے نجات دلانا چاہتی ہے۔ انھوں نے فطرت کے اس راز کو سمجھ لیا تھا کہ انسان ایک بندۂ آزاد ہے۔ وہ کسی کی غلامی کرنے کے لئے نہیں آیا۔ انسان اپنی بے ابری سے اپنے آپ کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ لیتا ہے۔ اس لئے وہ ان تمام بتوں کو توڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جو مذاہب کے درمیان رواداری کو مٹاتے ہیں اور خوئے غلامی کو فروغ دیتے ہیں ؎

فطرت آشفت کہ از خاک جہان مجبور　　خود گرے، خود شکنے، خود نگرے پیدا شد

یہ ایک حقیقت ہے کہ ابوالکلام کو جو شہرت دوام ملی تو وہ عشق قرآن سے اور اقبال نے جو گوہر آبدار سمیٹے تو وہ عشق رسول سے ؎

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست　　اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

علامہ اقبال کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے انتہا عقیدت تھی ذکر رسولؐ سے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔ یہ ان کا عشق رسول ہی تھا جس نے ان کے کردار کی تعمیر کی اور ان کے عقائد کو پختہ کیا۔ اور ان کے دامن کو فکر کے گہر ہائے آبدار سے مالا مال کیا۔ اور وہ برہمن زادہ ہو کر کاشف اسرار و رموز فطرت بن سکے۔

علامہ اقبال نے قوم کو خواب خرگوش سے بیدار کیا۔ خودی اور خودداری کا سبق دیا۔ غلامی کی زنجیریں اور رہبانیت کا فسوں توڑا۔ علم و عمل کی طرف مائل کیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ بادۂ تصوف کے لئے خوار ستھے۔ مگر ان کے خیال میں تصوف میں غیر اسلامی عنصر کی شمولیت نے اصلی رنگ کو بگاڑ دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اصل تصوف بایزید بسطامی، سلمان فارسی، اور ذوالنون مصری کا ہے۔ بعد میں تصوف میں بدھ مت، ہندو مذہب، اور ویدانت کے نو افلاطونی عناصر شامل ہوئے جن سے تصوف کو پاک ہونا چاہیے۔ وحدت الوجود، تصوف کی ایک طرزِ فکر ہے۔ اس کی دو شاخیں ہیں۔ ایک ہمہ اوست اور دوسرے ہمہ از اوست۔ ہمہ اوست کا مفہوم یہ ہے کہ خدا موجود ہے۔ خدا اور انسان متحدۃ الوجود ہیں یا عین یک دیگر ہیں۔ ہمہ از اوست کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے علاوہ انسان بھی موجود ہے لیکن اس کا وجود ظلی ہے اصلی نہیں ہے کیونکہ انسان قائم بالذات نہیں ہے جیسے درخت اور سایہ اسی طرح تمام ممکنات کا وجود ظلی ہے۔ وحدت الوجود کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اسلامی دوسرے غیر اسلامی۔ اسلامی کی بھی دو تعبیریں ہیں۔ ایک شیخ محی الدین ابن عربی کی اور دوسری شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کی۔ جس کو وہ وحدۃ الشہود کہتے ہیں۔ شیخ اکبر اور مجدد الف ثانی دونوں اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ وجودِ حقیقی صرف اللہ کا ہے۔ اور ممکنات کا وجود ظلی ہے مگر شیخ اکبر کا کہنا ہے کہ یہ ظلِ موہوم ہے اور مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ یہ ظلِ موجود ہے۔ وجودی صوفیاء کا مسلک یہ ہے کہ حق تعالیٰ وجود مطلق ہے۔ اس کے علاوہ کسی کو بھی وجودِ حقیقی حاصل نہیں ہے۔ ساری کائنات، وجود باری کا ظل یا عکس ہے۔ عالم کا وجود ہے مگر وہ ظلی ہے حقیقی نہیں ہے اور غالب ابن عربی کا تتبع کرتے ہیں۔ جبکہ اقبال مجدد الف ثانی کے پیروکار ہیں

اقبال، بیدل اور غالب سے اختلاف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انسان کا مقصد خیال یہ ہے کہ وہ اپنی انفرادی ہستی کو برقرار رکھے۔ لیکن اپنے اندر خدا کی صفات کا رنگ بھی پیدا کرے جیسے لوہا گرم ہو کر اپنے اندر آگ کے خواص پیدا کرتا ہے۔ اس لئے انسان اپنی خودی کو برقرار رکھے۔ اور خدا جیسی صفات پیدا کرنے کی کوشش کرے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر خواہی خدا را فاش بینی   خودی را فاش تر دیدن بیاموز

از ضمیر کائنات آگاہ اوست   تیغ لا موجود الا اللہ اوست

بیدل، غالب اور اقبال میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اقبال نے مشرق و مغرب دونوں فلسفوں کا مطالعہ کیا تھا ان کا کلام فلسفیانہ حقائق سے معمور ہے۔ اقبال کے یہاں فلسفہ کو اولیت کا درجہ حاصل ہے۔ اور شاعری کا مرتبہ ثانوی ہے۔ جبکہ بیدل اور غالب کے ہاں صورت برعکس ہے۔ اقبال کندسی، فارابی، ابن سینا اور ابن عربی کی صف میں کھڑے ہوسکتے ہیں۔ جبکہ بیدل اور غالب کے ہاں کوئی مربوط فلسفہ حیات نہیں ہے۔ اقبال ایک مربوط ضابطہ حیات کے ترجمان ہیں۔ اور وہ ضابطہ حیات ہے قرآن اور اسلام۔ اس اعتبار سے اقبال پہلے فلسفی ہیں اور بعد میں شاعر۔ شاعری سے وہ ابلاغ کا کام لیتے ہیں۔

نغمہ کجا و من کجا ساز سخن بہانہ ایست   سوئے قطار می کشم ناقہ بے زمام را

بیدل اور غالب پہلے شاعر ہیں اور بعد میں فلسفی۔ اقبال۔ حقائق و واقعات کی روشنی میں کائنات کا مطالعہ کرتے ہیں۔ غالب، ذاتی احساسات کے ذریعہ دنیا کو پرکھتے ہیں۔ اقبال کا طائر فکر، حکومت اور فلسفہ کی بلندیوں پر سرگرم پرواز رہتا ہے۔ غالب نے اقبال کی طرح کسی دنیا کو بیدار کرنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ پہلے فنکار ہیں اور بعد میں حکیم۔ ایک بات جو غالب اور اقبال میں مشترک ہے وہ یہ ہے کہ دونوں رجائی شاعر ہیں۔ اقبال مصائب مشکلات سے کھیلنا پسند کرتے تھے کیونکہ زندگی کا لطف ان سے مقابلہ کرنے میں ہے۔ ان سے مایوس ہونے میں نہیں ہے۔ غالب کا کوئی مربوط فلسفہ نہ تھا۔ جیسا کہ اقبال کا فلسفہ خودی ہے۔ غالب کے ہاں بھی فلسفیانہ اشعار ہیں مگر وہ بیدل کا اثر ہے۔ غالب کے ہاں خیال اور جذبات کا امتزاج ہے جو ان کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عقلی تجربات ۔ شاعرانہ احساسات اور فنی شعور کو نکھار سکا مگر ان کی شاعری میں وہ فلسفیانہ تعمق پیدا نہ ہوسکا جو اقبال کے ہاں ہے ۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ غالب نے اقبال کی طرح فلسفہ کی تعلیم حاصل نہیں کی تھی ۔ اقبال کے ہاں فلسفہ کے ساتھ ساتھ اخلاقی تعلیمات بھی ہیں ۔ جس کے لئے انھوں نے مولانا روم کو اپنا پیرو مرشد بنا لیا

پیر رومی خاک را اکسیر کرد   از غبارم جلوہ ہا تعمیر کرد

زندگی ایک لامتناہی شئے ہے جو نہ کبھی فنا ہوسکتی ہے ۔ اور نہ ہی اسے امروز و فردا سے ناپا جاسکتا ہے ۔ زندگی ستاروں کی مانند ہے ۔ وہ ستارے جو حباب کی طرح بنتے بھی ہیں اور مٹتے بھی ہیں ۔ وہ بلند کوہسار کی چوٹی کو چھوتے ہوئے بارش کی صورت میں نمودار ہوتے ہیں ۔ زندگی رواں دواں ہے ۔ چمن میں پھول آتے ہیں اور مرجھا جاتے ہیں ۔ اور پھر نئی بہار دکھاتے ہیں ۔ جس طرح بلبل کا چہچہانا اور دریا کا بہنا مسلسل ہے ۔ اقبال اسی تسلسل حیات کے قائل ہیں ۔

اقبال ، علم ، عشق اور عقل کی طاقتوں ، کو تسلیم کرتے ہیں ۔ وہ علم کے جویا ہیں اور عشق کے پرستار ۔ وہ علم سے دماغ کو روشن کرتے ہیں ۔ اور عشق سے دل کی رہنمائی کا کام لیتے ہیں ۔ وہ خالص علم یا عقل پر زور نہیں دیتے بلکہ عقل اور عشق دونوں کو ساتھ لے کر چلتے ہیں ۔ کیونکہ خالص علم کے بل بر رازی فلسفہ کی ڈور سلجھاتے رہے مگر سرا نہ ملا :۔

ع   گرہ کشاد نہ رازی نہ صاحب کشاف

اسی طرح امام غزالی نے علم حاصل کیا تو دل کو چین نصیب نہ ہوا ۔ بصارت کی آنکھ بند کی اور بصیرت کے میدان میں آئے ۔ عشق و نظر کو اختیار کیا تو دل کو چین ملا ۔ علم کی کامیابی کے لئے سپاہ عشق کی ضرورت ہے ۔ علم بغیر عشق کے طاغوتی طاقت ہے اور اگر علم عشق کے ساتھ ہو تو لاہوتی قوت بن جاتا ہے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علم با عشق است از لاہوتیاں   علم بے عشق است از طاغوتیاں

اقبال کا کہنا ہے کہ علم حقیقت قدرت الٰہی ہے۔ جو کائنات کے خارجی اور ذہنی تصورات مہیا کرتا ہے۔ انسان کو جو فرشتوں پر فوقیت ملی وہ علم ہی کی وجہ سے ملی۔ قرآن نے کہا ہے: عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا۔ مگر اقبال علم کے ساتھ دولت عشق کے بھی طالب ہیں۔ کیونکہ عشق سے فکر میں نکھار آتا ہے۔ اور گفتار میں شیرینی اور کردار میں پختگی آتی ہے۔ علم ایک مصور کی طرح ہے جو ہر چیز کی تصویر ہو بہو کھینچ دیتا ہے۔ علم ایک آئینہ ہے۔ علم سے انسان تحقیق اور جستجو میں مصروف ہوتا ہے۔ نامعلوم کو معلوم کرتا ہے۔ اور حکمت کے موتی رولتا ہے مگر عشق کا درجہ پھر بھی علم سے بلند ہے ؎

علم ہے ابن الکتاب عشق ہے ام الکتاب

علم، دولت عشق سے بہرہ مند ہو تو زور پکڑتا ہے۔ ورنہ وہ ایک خالی نیام کی طرح ہے۔ علم فقیہہ و حکیم تو بن سکتا ہے مگر دانائے راز نہیں بن سکتا۔ علم جویائے راہ ہے۔ دانائے راہ نہیں۔ وہ روشنی کا جویا تو بن سکتا ہے مگر سراپا روشنی نہیں۔ سراپا روشنی بننے کے لیے علم کو عشق کی مدد کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رومی، عشق کے زور سے جیتا اور بوعلی سینا معقولات کے گرد و غبار میں پھنس کر رہ گیا۔ امام غزالی فلسفہ کی بھول بھلیوں میں گم ہو گئے۔ اور رازی عقل کی راہ میں مقام خبر تک تو پہنچ گئے مگر مقام نظر حاصل نہ کر سکے۔

رومی اور اقبال علم کو اہمیت دیتے ہیں۔ مگر فقر اور بصیرت کو علم سے بہتر مانتے ہیں۔ علم سے کائنات کی رونق میں اضافہ ہوتا ہے۔ علم ستاروں پر کمند ڈال سکتا ہے۔ اور بحر و بر اور ماہ و خورشید کو مسخر کر سکتا ہے۔ مگر دلوں کو مسخر کرنے کے لئے علم کی نہیں عشق کی ضرورت ہے۔ دل کا سکون، عشق سے ملتا ہے۔ دل کا سکون اصل چیز ہے۔ دل کی بیداری اصل حیات نہیں ہے ؎

زمانہ عقل کو سمجھا ہوا ہے مشعل راہ   کسے خبر کہ جنوں بھی ہے صاحب ادراک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خرد نمرود و فرعون ہے۔ اور عشق، خلیل، شعلۂ طور ہے۔ خرد، فرنگیوں کی طرح عیار ہے۔ سو سو بھیس بدل لیتی ہے۔ اور رو باہی سکھاتی ہے۔ عشق خرد کو راستہ دکھاتا ہے۔ اور اسے رازہائے دروں کے اسرار و رموز بتاتا ہے۔ عشق سے خودی اور خود آگاہی کا استحکام ہوتا ہے۔ دنیا کی رونق عشق سے ہے۔ اگر صرف عقل کی کار فرمائی ہوتی تو عالم تہ و بالا ہو جاتا۔

اگر دل چوں خرد، فرزانہ بودے ۔۔۔ نبودے عشق و ایں ہنگامۂ عشق

دنیا عقل کی نگاہ میں کچھ ہے اور عشق کی نظر میں کچھ ہے۔ اقبال عشق کے بارے میں مولانا روم کے پیروکار ہیں۔ اقبال عقل کو چراغ راہ تصور کرتے ہیں۔ وہ منزل نہیں ہے۔ کیونکہ خرد، سر میں بت خانہ بناتی ہے۔ عشق اسے حرم میں تبدیل کر دیتا ہے عشق مٹی کے پیالے کو جام جم بناتا ہے۔ جو کام عقل نہیں کر سکتی، اس کو عقل مکمل کرتی ہے۔ اقبال کے نزدیک عشق کا محور اور مرکز، دل ہے۔ عقل، عشق کی ضد نہیں بلکہ اس کے تابع ہے۔ عشق سے عقل کا راستہ تو پورا کیا جا سکتا ہے مگر عقل سے عشق کا راستہ طے کرنا، آفتاب کو چراغ دکھانے کی طرح ہے۔

بہ چراغ آفتاب می جوئی ۔۔۔ بہ خود راہ عشق می پوئی

عقل و عشق ایک دوسرے کی ضد نہیں البتہ دونوں کے طریق الگ الگ ہیں۔ لیکن عقل میں عشق والی جرأت رندانہ نہیں ہے۔

عقل و عشق کی بحث کو مدنظر رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ غالب کے ہاں عشق عشقِ دروا بیتی ہے۔ اقبال کے ہاں وجدانی۔ دونوں کے ہاں عشق کی کیفیت مختلف ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اقبال جرمن فلاسفر کانٹ کی طرح اس بات کے قائل ہیں کہ تنہا عقل زندگی کے صحیح اقدار کی مکمل رہنمائی نہیں کر سکتی۔ کیونکہ عقل، نیک و بد کے تصور سے پوری طرح آگاہ نہیں ہوتی۔ یہ عشق ہے جو انسان کو خیر و شر اور نیک و بد کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تمیز سکھاتا ہے۔ اور بصارت کو بصیرت سے ہم آہنگ کرتا ہے۔

بیدل، نقشبندی سلسلے کی نسبت سے مجدد الف ثانی سے عقیدت رکھتے تھے۔ بیدل کے کلام میں حرکت اور رجائیت ہے۔ ان کے کلام میں حرکی تصور حیات کی جھلک ملتی ہے۔ یہی وہ اسباب میں جن کی وجہ سے اقبال، بیدل سے متاثر ہوئے۔ اسی لئے اقبال نے بیدل کو ایک جگہ "مرشد کامل" کہا ہے۔ بیدل کے ہاں تصور خودی بھی ملتا ہے۔ اقبال نے خودی کا تصور بیدل سے لیا۔ مگر بیدل کی خودی، خودشناسی سے عبارت ہے۔ جبکہ اقبال کی خودی کا دائرہ فرد اور قوموں کی تعمیر تک وسیع ہے۔ اقبال کے نزدیک فرد کی خودی سوال سے کمزور ہوتی ہے۔ اور جماعت یا قوموں کی خودی دوسروں کی غلامی اور دست نگر ہونے سے ضعیف پڑتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اقبال نے فلسفہ خودی کو سیاسیات پہ منطبق کرتے ہوئے پیش کیا ہے۔ اور ان کے اس فلسفہ کا اثر ہوا یعنی یہ کہ اقبال کا فلسفہ خودی چل نکلا۔ بیدل، سیاسیات اور معاشیات میں نہیں الجھے اس لئے ان کی خودی، خودشناسی تک محدود رہی ؎

برگ گلست ہزار چمن، عرض رنگ و بوست   آئینہ خودی وجہانے نمودہ۔ (بیدل)

اقبال نے انسان کے عروق غلامی کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ انسان کے جذبۂ بندگی کا عالم یہ ہے کہ خود آدمی آدمی کا غلام بن جاتا ہے۔ جبکہ معمولی جانوروں تک میں یہ بات نہیں پائی جاتی مثلاً کتا دوسرے کتے کا غلام نہیں ہوتا نہ گدھا گدھے کے سامنے جھکتا ہے مگر انسان اشرف المخلوقات ہوتے ہوئے، دوسرے انسان کے سامنے سرِ نیاز خم کر دیتا ہے۔ یہ مضمون اقبال سے پہلے بیدل کے ہاں ملتا ہے ؎

بندگی بہ حصول رزق آمادہ بسر   سگ، جا کر سگ نگشت، خر بندۂ خر

از مخترعات کارگاہِ امکان   ایں ننگ شعور نیست، جز صنع بشر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیدل کی شاعری کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خودی کے متعلق لکھتے وقت اقبال کی نظر بیدل کے کلام پر تھی کیونکہ خودی کے مضامین اور خود شناسی کی تعلیم بیدل کے ہاں ملتی ہے۔ مگر اقبال کی خودی بیدل کی خودی سے مختلف ہے۔ اقبال کا کہنا ہے کہ انسان خودی کے اعلیٰ مقام پر نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ پہلے شمشیر لا الہ سے تمام ماسوا کو فنا کر دے۔ اقبال کے نزدیک زندگی استحقاق کا نام ہے۔ عجز و عاجزی کا نہیں۔

اسی طرح غالب کی خودی، ذاتی خودی تک محدود ہے۔ اقبال کی خودی، ذاتی خول سے نکل کر، آفاق کی پہنائیوں میں گم ہو جاتی ہے۔ اور وہ نہ صرف کائنات بلکہ پوری دنیائے انسانیت کو درس خودی دیتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں غالب کا شعر ہے ؎

بندگی میں بھی وہ آزادہ و خودبیں ہیں کہ ہم   اُلٹے پھر آئے در کعبہ اگر وا نہ ہوا

اقبال کی خودی ذوق یقین کی تلقین کرتی ہے۔ مردہ قوم میں صور اسرافیل پھونکتی ہے۔ خودی فرد کے علاوہ قوموں کی شخصیت کی بھی تکمیل کرتی ہے۔ وہ زندگی کو غلامی سے نجات دلاتی ہے۔ اور لوگوں کو درس عمل دیتی ہے ؎

اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی   ہو جس کے جوانوں کی خودی صورت فولاد

اس شعر میں خودی کی تلقین ہے۔ اور نوجوانوں کو خودی پیدا کرنے پر زور دیا ہے۔ جو قوموں کی تعمیر میں حصہ لیتی ہے۔ جبکہ غالب کا مذکورہ بالا شعر یعنی ؎

بندگی میں بھی وہ آزادہ و خودبیں ہیں کہ ہم   اُلٹے پھر آئے در کعبہ اگر وا نہ ہوا

یہ شعر محض غالب کی ذاتی انا اور انفرادی خودی کی عکاسی کرتا ہے۔ اقبال کے ہاں خودی کا مفہوم اس سے زیادہ وسیع ہے چنانچہ اقبال نے کہا ہے ؎

خودی ہو زندہ تو ہے فقر بھی شہنشاہی   نہیں ہے طغرل و سنجر سے کم شکوہ فقیر

خودی ہو زندہ تو دریائے بیکراں پایاب   خودی ہو زندہ تو کہسار پرنیان و حریر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہاں خودی کسی محدود معنی میں مستعمل نہیں ہوا۔ اقبال نے "پس چہ باید کرد" میں کہا ہے ؎

تو خودی اندر بدن تعمیر کن ۔۔۔ مشت خاک خویش را اکسیر کن

یا یہ مصرعہ ؎

خودی میں ڈوب کے ضرب کلیم پیدا کر

غرض بیدل اور غالب کے ہاں خودی کا جو تصور ہے وہ خود داری یا خودنگری کے معنی میں ہے۔ اقبال کے ہاں خودی کا تصور بہت وسیع ہے ان کے ہاں خودی کا مفہوم افلاک کی وسعتیں لئے ہوئے ہے۔ اقبال کا تصور خودی مستقل ایک فلسفہ اور مربوط نظریہ کی شکل میں ہے جس کا ایک مقصد ہے اور ایک پیغام ہے۔ اور وہ یہ کہ اقبال خودی کے ذریعہ سوئی ہوئی قوم کو جگانا چاہتے ہیں تاکہ ملت بیضا کے تن مردہ میں بیداری کی لہر دوڑ جائے۔ اور مایوس و ناتواں قوم کو طاقت و توانائی ملے۔ اقبال کی خودی ذہنوں کو بیدار کرتی ہے اور قوموں کو ایک دوسرے کا دست نگر ہونے سے بچاتی ہے ؎

تری خودی سے ہے روشن ترا حریم وجود ۔۔۔ حیات کیا ہے اسی کا سرور و سوز و ثبات

غالب نے بیدل، ظہوری، صائب، عرفی، نظیری کے مطالعے سے اپنے لئے ایک جہاں تازہ پیدا کیا اقبال نے بیدل، غالب، نیٹشے، برگساں، ہیگل، رومی اور شوپنہار کے مطالعہ سے اپنے لئے ایک الگ راہ استوار کی۔ اقبال کے ہاں مقصد آفرینی، برگسان کے تخلیقی ارتقار سے متاثر ہوئی۔ مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ برگسان کا نظریہ ارتقا حیاتیاتی و (مادی) ہے روحانی نہیں۔ اقبال کے ہاں حیات و کائنات کے ساتھ روحانی احساس بھی ملتا ہے۔ وہ نیٹشے کی طرح قوم کو درس خودی دینا چاہتے ہیں۔ اور یہ بتلاتے ہیں کہ مقصد آفرینی اور عمل صالح سے فرد کی خودی مکمل ہوتی ہے ؎

خودی تعمیر کن در پیکر خویش ۔۔۔ چوں ابراہیم معمار حرم شو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یاس ع — تعمیرِ خودی کو اثرِ آہِ رسا دیکھ

غالب کا فلسفیانہ کلام، طرزِ بیدل کی ارتقائی شکل ہے۔

اقبال، بیدل اور غالب دونوں سے متاثر ہوئے ہیں۔ اقبال کی خوش قسمتی یہ ہے کہ انھوں نے مشرق و مغرب کی بہترین درسگاہوں میں تعلیم حاصل کی۔ مشرقی افکار سے بھی مستفیض ہوئے اور مغربی فلسفہ دانوں کا بھی بغور مطالعہ کیا۔ بیدل اور غالب کو مغربی ادبیات تک رسائی نہ ہو سکی۔ یہی وجہ ہے کہ غالب اپنی فارسی دانی اور زبردست دماغ کے مالک ہونے کے باوجود فلسفیانہ موشگافیوں سے آگے نہ بڑھ سکے۔ غالب نے غدر کی مصیبتیں جھیلیں زمانے کا الٹ پلٹ دیکھا۔ اشراف کو غدر کے دوران، ذلیل ہوتے دیکھا۔ اس لئے انسانی خودداری کو سامنے رکھتے ہوئے خدا سے عرض کیا ؎

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند — گستاخیِ فرشتہ ہماری جناب میں

اگر غور سے دیکھا جائے تو اس شعر سے اقبال کے شکوہ، جوابِ شکوہ کا رنگ ملتا ہے۔

اقبال نے کہا ہے ؎

رحمتیں ہیں تو وہ اغیار کے کاشانوں پر — برق گرتی ہے تو بے چارے مسلمانوں پر

اقبال نے اپنے پیرایہ بیان کو صرف غزل تک محدود نہیں رکھا۔ بلکہ اپنے اظہارِ بیان کے لئے غزل کے علاوہ مسلسل قطعہ، اور طویل نظموں کو اختیار کیا۔ اس سے بھی بیدل اور غالب کے مقابلے میں ان کی شاعری کا کینوس وسیع ہوتا نظر آتا ہے۔

اب یہ بات کسی حد تک واضح ہو جاتی ہے کہ غالب اور اقبال بیدل کی فکر کی پیداوار تھے۔ بیدل کے کلام میں جو رفعتِ تخیل اور حکیمانہ تفکر ہے۔ اس نے مشرق کے ان دو مفکرین کے دماغ کو متاثر کیا۔ بیدل کی شاعری میں "خودی"، "بے خودی" "امروز و فردا" "دنیا و عقبیٰ" اور بالخصوص ہستی کی گتھیاں سلجھانے کے مضامین ملتے ہیں۔ اقبال نے ان افکار سے استفادہ کیا اور پھر مغربی افکار و ادب کے مطالعہ سے اپنی دنیائے شاعری کی عمارت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعمیر کی۔ یہ ایک ذہنی کیفیت تھی جو اقبال کو بیدل اور غالب سے متاثر ہونے کے بعد، سخن گوئی کا بحر بیکراں اور محیط بے ساحل بننے کی خواہش کی طرف لے گئی۔" طور معرفت" اور محیط اعظم" "بیدل کی شاہکار مثنویاں ہیں غالب نے بیدل کی پیروی کی تو مشکل پسند ہو گئے۔ مگر اقبال نے مشکل پسندی سے صرف نظر کرکے بیدل کی حرکی شاعری، خودی و بے خودی، امروز و فردا " اسرار و رموز ہستی " سے اپنا ایک الگ فلسفہ خودی اور نظریہ زماں و مکاں اور مثنوی " اسرار خودی و رموز بے خودی " تصنیف کی۔

بیدل، یگانۂ روزگار تھے۔ انھوں نے قلندرانہ زندگی بسر کی۔ اہل علم و حکمت ان کے قدر داں تھے۔ آزاد بلگرامی نے " خزانہ عامرہ " میں لکھا ہے کہ

" بیدل عظیم آبادی، میکدۂ سخن کے پیر مغاں تھے۔ ان کو شعراء میں وہی مرتبہ حاصل ہے۔ جو افلاطون کو حکمائے یونان میں ہے۔"

شاید یہی ایک ایسی خوبی ہے جس نے غالب اور اقبال کو متاثر کیا۔ اور وہ بیدل سے اثر قبول کیے بغیر نہ رہ سکے۔ بیدل کے نزدیک کائنات ایک واحد دل کی طرح ہے۔ یہی ان کا تصوف ہے۔ اور یہی ان کا فلسفہ ہے۔ کہ " دفتر دل کا ایک ایک لفظ صحیفہ فطرت کی آیت انسانی ہے" انگریز فلسفی برکلے نے بھی یہی کہا ہے مگر اقبال، فرانسیسی فلسفی برگساں کے نظریہ ارتقائے حیات میں بیدل کے اسی تصور کا سراغ لگا سکے۔

اسی تصور پر اقبال کے نظریہ زمان و مکاں کی بنیاد ہے۔ جو دو صورتوں میں نمایاں ہے۔ ایک مادہ جس سے زمان و مکاں مشاہدہ ہوتا ہے۔ دوسرا قلب جس کا کام تصورات و خیالات ہیں۔ ہیگل کا نظریہ بھی " واقعۂ واحدہ " ہے۔ وہ بھی کائنات کو ایک " واقعۂ واحدہ " تصور کرتا ہے۔ اس کے نزدیک وجود مطلق، قائم بالذات ہے۔ اور کائنات قائم بالحق ہے قائم بالذات نہیں ہے۔ فرانس کا فلسفی ڈیکارٹ، دوئی کا قائل ہے۔ مگر جرمنی کے فلسفی لائبنز نے اس خیال کو [illegible] فلسفی کانٹ کے خیال میں بھی حقیقتیں ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اول شکل وصورت اور وزن ہے۔ دوسرے رنگ و ذائقہ وغیرہ ہے۔

اقبال نے اپنی تین نظمیں یعنی الوقت سیف " " نوائے وقت " اور " حکیم آئن سٹائن " میں اپنے نظریہ زماں ومکاں کو بیان کیا ہے۔ آئن سٹائن نے جب اپنا نظریہ اضافیت پیش کیا تو بڑی دھوم مچی اور یہ تھا کہ ہمارے گرد کی چیزیں تین پیمائش رکھتی ہیں۔ یعنی طول، عرض اور عمق اصطلاح میں ان پیمائشوں کو ابعاد ثلاثہ کہتے ہیں۔ دنیا یعنی مکاں انھیں ابعاد ثلاثہ سے مرکب ہے۔ آئن سٹائن نے چوتھا بعد زماں کو کہا۔ مکاں ہمیشہ فانی ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ کی صفت لامکاں ہوئی اور زمانہ بھی خدا ہوا۔ پیرس میں جب علامہ اقبال کی ملاقات برگساں سے ہوئی تو دوران گفتگو اقبال نے زمانے کے بارے میں برگساں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سنائی کہ

لاتسبوا الدھر فان الدھر ھو اللہ۔ یعنی زمانے کو برا نہ کہو کیونکہ زمانہ ہی اللہ ہے۔

یہ سن کر برگساں اچھل پڑا۔ محی الدین ابن عربی کے نزدیک بھی دھر، خدا کے اسمائے صفات میں سے ہے۔ اقبال نے نظریۂ زماں ومکاں کو اپنی شاعری میں پیش کیا۔ اور کہا کہ ہر واقعہ کی تخلیق میں زمانہ کو دخل ہے۔ بغیر زمانے کی حرکت کے، مکانی ابعاد میں خود بخود تبدیلی پیدا نہیں ہوتی۔ اقبال نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ تخلیق کی تہہ میں دراصل خودی کا ہاتھ ہے کیونکہ خودی زماں ومکاں کی خالق ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ اہل ایران نے امیر خسرو اور فیضی کی فارسی شاعری کو تو مانا مگر بیدل اور غالب کی فارسی شاعری کو تسلیم نہیں کیا۔ البتہ اقبال جو بیدل اور غالب سے فیضیاب ہوئے، آج ایران کا بچہ بچہ اقبال کے نام کو جانتا ہے۔ اور اہل ایران اقبال کو نہ صرف فارسی کا بلند پایہ شاعر تسلیم کرتے ہیں بلکہ ان کو عظیم مفکر فلسفی کا بھی درجہ دیتے ہیں۔

زمانہ سب سے بڑا نقاد ہے۔ جو چیز وقت کی کسوٹی پر پوری اترتی ہے۔ قائم ودائم رہتی ہے۔ ورنہ جو زمانے کے معیار سے گرجاتے تو فنا ہوجاتی ہے۔ کیونکہ ہر معمولی چیز کا مقدر فنا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وقت کے تھپیڑوں کی تاب لانا اور زندہ رہنا کافی مشکل ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کو سب سے پیارے وہ بقا و شہرت دوام حاصل کرتا ہے۔ اقبال اس میدان کے مرد تھے۔ اور حیات جاوید پاگئے

ایران کے ملک الشعراء بہار نے درست کہا ہے کہ جو کام سب ادباء اور شعراء مل کر نہ کر سکے، اقبال نے تنہا اسے سرانجام دیا۔ اقبال ایسے متفکر فلسفی شاعر ہیں کہ نہ صرف عالم اسلام کو ان پر ناز ہے۔ بلکہ وہ ایک بین الاقوامی شہرت کے مالک بن سکے۔

اقبال نے مغرب میں براؤن، برگساں اور نکلس سے براہ راست مذاکرات کئے۔ اور کانٹ، گوئٹے، نٹشے، شوپن ہار، ہیگل، ڈیکارٹ، ولیم جیمز، ملٹن، شیلے، ورڈز ورتھ اور کیٹس کا خوب مطالعہ کیا۔ اور ان کی ہر اچھی بات سے استفادہ کیا۔ اسی طرح مشرق میں بیدل، غالب، رومی، معری رازی، غزالی، شاہ ولی اللہ، مجدد الف ثانی میں جیلی، غالب، رومی محی الدین ابن عربی، صاحب کشاف، بوعلی سینا اور قرآن حکیم کی تعلیمات کا بغور مطالعہ کیا اور ان کے اثرات قبول کیے۔

یہ ہیں فکر اقبال کے چند پہلو اور اقبال کی شاعری کا تاریخی پس منظر جس سے ان کی شاعری، فلسفہ اور فکر کا تانا بانا تیار ہوا۔

ضروری گذارش

ادارہ ندوۃ المصنفین کی ممبری یا برہان کی خریداری وغیرہ کے سلسلے میں جب آپ دفتر کو خط لکھیں یا منی آرڈر ارسال فرمائیں تو اپنا پتہ تحریر کرنے کے ساتھ ساتھ برہان کی چٹ پر آپ کے نام کے ساتھ درج شدہ نمبر بھی ضرور تحریر فرمائیں۔

اکثر منی آرڈر کوپن پتہ اور نمبر سے خالی ہوتے ہیں جس سے بڑی زحمت ہوتی ہے۔ — منیجر

© rasailojaraid.com